© rasailojaraid.com

تحقیق و تنقید

سفتجہ (بل آف ایکسچنج) کی فقہی حیثیت

جناب ظفر الاسلام

سفری ضروریات، تجارتی مقاصد یا دیگر اغراض کے تحت نقد رقوم یا روپیہ کو ایک مقام سے دوسرے مقام یا ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنے کا مسئلہ قدیم وجدید ہر دور میں درپیش رہا ہے۔ راستہ کے خطرات اور حمل ونقل کی دشواری کو مدنظر رکھتے ہوئے نقد کو ساتھ لیجانے یا کسی کے بدست بھیجنے کے بجائے اس کے متبادل طریقے اختیار کیے جاتے رہے ہیں اور تہذیب وتمدن کی ترقی اور انسانی ضروریات میں تنوع کے اعتبار سے ان طریقوں میں تغیر وتبدل رونما ہوتا رہا ہے[۱]۔ عہد قدیم میں سوداگر، تاجر وصراف انفرادی بنک کار کی حیثیت سے یہ سہولت بہم پہونچاتے تھے نئے دور میں بینکنگ نظام اور پوسٹل سسٹم نے اس کام کو آسان بنادیا ہے، پہلے اس کے لیے سیدھے سادے انداز میں تحریری حکم نامے جاری

---

[۱] بینکنگ کا کاروبار (جس کا ایک حصہ سفر کے دوران روپیے کی فراہمی اور ایک مقام سے دوسرے مقام رقوم کی منتقلی ہے) کے قیام کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مشرق ادنی میں حضرت عیسی مسیح علیہ السلام کے ظہور سے قبل ہی اس کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ یونان نے چوتھی صدی قبل مسیح کے قریب اس نظام کو مشرقی سلطنتوں سے درآمد کیا اور اسے ترقی دے کر رومیوں کو اس سے روشناس کرایا، روم سے منتقل ہو کر یہ جدید یورپ پہنچا جہاں اس نے ترقی کے مختلف مدارج طے کیے ملاحظہ کیجئے پروفیسر فضل الرحمن گنوری، تجارتی سود تاریخی وفقہی نقطۂ نظر سے علی گڑھ ۱۹۶۷ء ص ۵۲ تا ۵۳ بحوالہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: مضمون بینکنگ، ڈبلو ڈراث، لائف آف گریس، ص ۲۴۷، ۲۶۲-۲۶۴، ۲۶۵، ۲۷۴، ڈبلو فاولر، سوشل لائف ایٹ روم ص ۸۰-۸۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیے جاتے تھے۔ اب چیک، ڈرافٹ، پوسٹل آرڈر اور منی آرڈر نے ان کی جگہ لے لی ہے۔ عہد قدیم میں انتقال رقوم یا ارسال زر کی عملی صورت یہ ہوتی تھی کہ اگر کوئی شخص کسی دور دراز مقام کا سفر کرنا چاہتا تھا جہاں اسے کچھ روپیہ بھی درکار ہوتے لیکن راستہ کے خطرات کے باعث ساتھ لے جانا مامون و محفوظ نہیں ہوتا یا اسے کسی دوسرے شہر میں کسی کے پاس روپیہ بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو وہ کسی ایسے شخص (جو عام طور پر تاجر سوداگر یا صراف کے طبقہ سے تعلق رکھتا تھا) کے پاس وہ روپیہ جمع کر دیتا تھا جس کا سرمایہ اس کے مطلوبہ شہر میں موجود ہوتا تھا۔ وہ تاجر یا سوداگر روپیہ جمع کر لینے کے بعد اس شہر میں اپنے ایجنٹ کے نام ایک خط لکھ کر دیدیتا تھا۔ اس خط یا تحریری حکم نامہ کے ذریعہ اس شخص یا اس کے نامزد کو مرسلہ رقم وہاں موصول ہو جاتی تھی۔ ارسال زر کا یہ طریقہ مختلف علاقوں اور مختلف زمانوں میں الگ الگ ناموں سے موسوم رہا ہے۔ عرب ممالک میں یہ طریقہ اسلام کے ابتدائی دور سے ہی معمول بہ تھا لیکن شروع میں اس کے لیے کوئی خاص اصطلاح رائج نہ تھی، سادے انداز میں اسے 'کتاب' یا 'تحریر' کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا تھا لیکن بعد میں اس کی ترجمانی کے لیے لفظ 'سفتجہ'[1] کا انتخاب عمل میں آیا جو فارسی لفظ 'سفتہ' کا معرب ہے[2]۔ اس لفظ کی اصلیت یہ خود شہادت دے رہی ہے کہ عربوں نے اس اصطلاح کو ایرانیوں سے اخذ کیا تھا۔ اس کا مزید ثبوت اس بات سے بھی فراہم ہوتا ہے کہ اس کا استعمال سب سے پہلے ان علاقوں

---

[1] سُفتجہ 'س' پر پیش کے ساتھ اسم ہے جس کی جمع سفاتج ہے اور 'س' پر زبر کی حالت میں یہ مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس طرح سَفتج کے معنی ہوتے ہیں اس نے سُفتجہ کے ذریعہ معاملہ کیا۔ اس لفظ کی اصلیت اور لغوی تحقیق کے لیے دیکھئے عبدالرشید، فرہنگ رشیدی (مرتبہ در عہد شاہجہاں) کلکتہ ۱۸۷۵ء، جلد دوم ص ۲۴، محمد اعلیٰ تھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون (مولفہ در ۱۷۴۵ء) لیتھو پریس، کلکتہ ص ۳۳۶، محمد پادشاہ شاد، فرہنگ آنندراج، چاپخانہ حیدری، تہران، جلد سوم ص ۲۲۲۵، علامہ السعید الخوری الشرتونی، اقرب الموارد، بیروت ۱۸۸۹ء جزء اول ص ۵۱۹، الویس معلوف الیسوعی، المنجد فی اللغۃ والادب والعلوم، بیروت ۱۹۲۷ء، ص ۳۴۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں شروع ہوا جو زمانۂ ماقبل اسلام میں ایرانیوں کے زیر اثر تھے۔ اسلامی ممالک میں یہ اصطلاح کب سے رائج ہوئی اس سلسلہ میں قطعی طور سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ سفتجہ کی بابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث منسوب کی جاتی ہے لیکن ناقدین حدیث نے عموماً اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن الجوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے[1] امام احمد بن نسائی نے ایک روایت پر بحث کرتے ہوئے سفتجہ کا ذکر کیا ہے[2] لیکن اس سے یہ ثبوت فراہم نہیں ہوتا کہ سفتجہ کی اصطلاح عہد نبوی میں مروج تھی۔ ڈاکٹر صالح احمد العلی نے پہلی صدی ہجری میں بصرہ کے اقتصادی نظام پر روشنی ڈالتے ہوئے اس دور میں سفتجہ کے استعمال کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن انھوں نے اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں پیش کیا ہے[3] بہر حال اس امر کی بنیاد پر کہ دوسری صدی ہجری میں سفتجہ فقہی مباحث میں داخل ہو گیا تھا[4] یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی ممالک میں سفتجہ کی اصطلاح اس دور میں رائج ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ سفتجہ پر فقہی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی جائے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اہل لغت کی تشریحات کی روشنی میں اس کی عملی صورت کی وضاحت کی جائے اور اسلامی ممالک میں اس کے استعمال کے طریقوں سے مختصراً بحث کی جائے تاکہ اس کی فقہی نوعیت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

---

[1] اس کے الفاظ یہ ہیں "عن ابراھیم بن نافع الجلاب حدثنا عمرو بن موسٰی ابن وجیہ عن سماک بن حرب عن جابر بن سمرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السفتجات حرام" اس حدیث پر ناقدین حدیث کے خیالات کے لیے ملاحظہ کیجیے جمال الدین ابی محمد عبد اللہ الزیلعی، نصب الرایہ لاحادیث الهدایۃ، المجلس العلمی، سورت ۱۹۳۸ء، ص ۶۰

[2] سنن نسائی، مطبع مجتبائی، دہلی، جلد دوم (کتاب الایمان والنذر، باب شرکۃ الابدان) ص ۱۵۸

[3] ڈاکٹر صالح احمد العلی، التنظیمات الاجتماعیہ والاقتصادیہ فی البصرہ فی القرن الاول من الهجری، بغداد ۱۹۵۳ء، ص ۲۶۴

[4] اس پر اولین بحث امام محمد بن حسن الشیبانی (۱۳۵ - ۱۸۵ھ) کے یہاں ملتی ہے دیکھیے کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ، حیدرآباد ۱۹۶۸ء، الجزء الثانی، ص ۶۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہل لغت نے سفتجہ کی عملی صورت کی ترجمانی مختلف انداز سے کی ہے۔ لیکن ان سب سے مجموعی طور پر جو مفہوم اخذ ہوتا ہے وہ قریب قریب یکساں ہے:

" السفتجہ کقرطۃ ان یعطی مالاً آخر وللآخر مال فی بلد المعطی فیوفیہ ایاہ ثم فیتسفید امن الطریق "[۱]

(سفتجہ بروزن قُرطۃ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو کچھ مال (نقد رقم) دے اور اس دوسرے (جس کو رقم دی گئی ہے) کا سرمایہ دینے والے کے شہر (مقصود) میں موجود ہے پس وہ اس کی پوری پوری ادائیگی وہاں کردے اور اس طرح رقم دینے والا (اس شہر میں اسے وصول کرکے) راستہ کے امن سے مستفید ہو دے)

دوسری جگہ یہی بات نسبتہ مزید وضاحت سے کہی گئی ہے:۔

" وھی ان تعطی مالا لرجل لہ مال فی بلد ترید ان تسافر الیہ فتاخذ منہ خطاً لمن عندہ المال فی ذلک البلدان یعطیک مثل مالک الذی دفعتہ الیہ قبل سفرک "[۲]

(سفتجہ یہ ہے کہ آپ ایک شخص کو کچھ نقد دیں جو اس شہر میں اپنا مال رکھتا ہے جہاں آپ سفر کرنا چاہتے ہیں پس آپ اس شخص سے اس کے نام ایک خط حاصل کرلیں جس کے پاس اس شہر میں روپیہ رکھا ہوا ہے۔ پس وہ آپ کو اس کے ذریعہ اس رقم کے مثل حوالہ کردے جسے آپ نے قبل از سفر اس کے پاس جمع کیا تھا)

---

[۱] محمد مجدالدین الفیروزآبادی (۱۳۲۹ – ۱۴۱۴ء): القاموس المحیط، القاہرہ ۱۹۳۵ء الجزء الاول، ص ۱۹۴

[۲] السعید الخوری (۱۸۴۹ – ۱۹۱۲ء): اقرب الموارد، محولہ بالا، ص ۵۱۹۔ نیز ملاحظہ ہو:۔ المنجد فی اللغۃ والادب، محولہ بالا، ص ۳۴۶ اور ابراہیم مصطفیٰ واحمد حسن الزیات المعجم الوسیط قاہرہ، ۱۹۶۰ء، ص ۴۳۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان تشریحات کی روشنی میں سفتجہ کی جو عملی صورت واضح ہوتی ہے اسے ہم موجودہ دور کی بینکنگ کی اصطلاح میں ٹریولنگ چیک یا بینک ڈرافٹ کے مماثل قرار دے سکتے ہیں، اس لیے کہ دونوں کے طریقہ کار میں ظاہری اختلاف کے باوجود ان کے مقصد استعمال میں کافی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اور وہ ہے دور دراز مقام پر سفر کی حالت میں نقد رقوم کی بحفاظت فراہمی سفر کے دوران اپنے لیے نقد رقوم کی منتقلی کے علاوہ ایک شہر سے دوسرے شہر کسی دوسرے شخص کے پاس روپیہ بھیجنے کے لیے بھی سفتجہ کا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا جس کی تفصیل بعض اہل لغت نے ان لفظوں میں پیش کی ہے :۔

وصورتها ان يدفع الى تاجر مالاً قرضاً ليدفعه الى صديقه في بلده وانما يدفعه على سبيل القرض لا على طريق الوديعة لان ذلك التاجر لا يدفع عين ذلك المال بل انما يوديه مثله فلا يكون وديعة وانما يقرضه ليستفيد المقرض سقوط خطر الطريق وبعبارة اخرى هي ان يقرض انساناً ليقضيه المستقرض في بلد يريده المقرض ليستفيد به سقوط خطر الطريق“[1]

(سفتجہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی تاجر کو کچھ روپیہ بطور قرض دے تاکہ وہ اس کے دوست تک اس کے شہر میں پہنچا دے۔ یہ لین دین قرض کے طور پر ہوتا ہے نہ کہ امانت کے۔ اس لیے کہ وہ تاجر بعینہ اس رقم کو نہیں بلکہ اس کے مثل ادا کرتا ہے پس یہ امانت کا معاملہ نہیں ہو سکتا اور قرض دینے والا اسے اسی مقصد سے قرض دیتا ہے کہ وہ دوسرے مقام پر اس کی وصولیابی کے ذریعہ) راستہ کے خطرات سے مامون ہو جائے دوسرے لفظوں میں سفتجہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کو قرض دے تاکہ قرض لینے والا مقرض کے مطلوبہ شہر میں

---

[1] قاضی محمد اعلیٰ تھانوی: کشاف اصطلاحات الفنون، محولہ بالا، ص ۶۲۶ - ۶۲۷ (ترتیب ۱۸۶۲ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی ادائیگی کرے اور خود موخر الذکر راستہ کے امکانی خطرات سے محفوظ رہے۔)

اس طریق استعمال کے اعتبار سے سفتجہ موجودہ دور کے بینک ڈرافٹ، پوسٹل آرڈر اور منی آرڈر وغیرہ سے کافی حد تک مشابہت رکھتا ہے۔ سفتجہ کے مختلف طریق استعمال اور اس کے مفہوم میں وسعت کا نتیجہ ہے کہ ہندوستانی ماہرین لغت عموماً اسے ہنڈی کے مترادف قرار دیتے ہیں[1] عہد وسطیٰ کے بعض علماء و مورخین نے بھی سفتجہ یا سفتہ کو ہنڈی کے معنوں میں استعمال کیا ہے[2] ہنڈی کی بابت جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لوگ ایک شہر سے دوسرے شہر رقوم کی منتقلی یا دور دراز علاقوں میں اپنے اعزاء و اقرباء یا شرکاء تجارت کے نام ارسال زر کے لیے یہ طریقہ اختیار کرتے تھے یا پھر تجارتی سفر کے دوران سرمایہ کم ہوجانے کی صورت میں تاجر اسے قرض حاصل کرنے کا ذریعہ بھی بناتے تھے۔ پہلی صورت میں ہنڈی کے اجراء کا کام صراف اور بڑے بڑے سوداگر اور مہاجن پرائیوٹ بنک کار کی حیثیت سے انجام دیتے تھے اور قطعی طور پر یہ ثابت ہے کہ وہ اس کام کے لیے کچھ کمیشن یا زر تخفیف بھی وصول کرتے تھے جہاں تک اس کے رواج کا تعلق ہے اس کی ابتداء ہندوستان کے قدیم دور سے منسوب کی جاتی ہے، مسلم حکومت کے دوران بھی اس کا چلن باقی رہا[3] عہد سلطنت میں اس کے

---

[1] فرہنگ رشیدی، محولہ بالا، ص۲۷۴، عبدالرحیم صفی پوری، منتہی الادب، لاہور، ۱۸۹۵ء، ص۸۲۲، فرہنگ آنندراج، محولہ بالا، جلد سوم، ص۲۴۳۵، جلد ہفتم، ص۲۶۳۶، نیز تلک چند، بہار عجم، نولکشور، حصہ دوم ص۹۸

[2] فتاوائے فیروز شاہی، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی) علی گڑھ، یونیورسٹی کلکشن نمبر ۲۶ ورق ۳۰۹ ب، علی محمد خاں، مرآۃ احمدی، کلکتہ، ۱۹۲۷ء، حصہ اول، ص۱۱۰-۱۱۱

[3] ہندوستانی تاریخ کے عہد قدیم و وسطیٰ میں ہنڈی کے رواج اور اس کے اصول استعمال کی تفصیلات کے لیے دیکھئے ڈاکٹر ایل سی جین، انڈیجنس بینکنگ ان انڈیا، لندن ۱۹۲۹ء ص۷۰-۸۳، وی کرشنن، انڈیجنس بنکنگ ان ساؤتھ انڈیا، بمبئی، ۱۹۶۹ء، ص۵۱-۷۰، اور پروفیسر عرفان حبیب کے دو مقالے "بنکنگ ان مغل انڈیا" مطبوعہ در کانٹری بیوشن ٹو انڈین اکنامک ہسٹری (مرتبہ تپن رائے چودھری) کلکتہ، ۱۹۶۰ء، جلد اول (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استعمال کی مثالیں تاریخی مآخذ میں بہت کم ملتی ہیں لیکن مغل دور میں انفرادی و سرکاری طور پر اس کے استعمال کے حوالہ جات کثرت سے ملتے ہیں اور خاص کر تجارتی حلقوں میں اس کی مقبولیت کے واضح ثبوت فراہم ہوتے ہیں[۱]

اوپر سفتجہ کے اصطلاحی مفہوم کی جو تفصیل پیش کی گئی اسکی تصدیق تاریخی مآخذ سے بھی ہوتی ہے۔ عام مسافروں اور تاجروں کے ذریعہ ایک مقام سے دوسرے مقام نقد رقوم کی بحفاظت منتقلی کے لیے سفتجہ کے استعمال کے متعدد حوالے تاریخی کتب سے فراہم ہوتے ہیں[۲]۔ اس کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مختلف شہروں اور علاقوں کے تاجروں کے مابین بسا اوقات لین دین کے معاملات بھی سفتجہ کے ذریعہ طے ہوتے تھے۔ اس کی بھی مثالیں موجود ہیں کہ دور دراز جگہوں پر تحائف و ہدایا بھیجنے کے لیے سفتجہ کا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا[۳]۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سرکاری سطح پر بھی سفتجہ کو قبولیت حاصل تھی۔ معاصر تاریخوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عباسی دور خلافت میں صوبائی گورنر محاصل کی فاضل رقم مرکزی بیت المال کو بھیجنے کے لیے سفتجہ کے طریقہ کو بھی اپناتے تھے۔ مثال کے طور پر مسکویہ (المتوفی ۱۰۳۰ء) کا بیان ہے کہ ۹۲۵ء میں عباسی خلیفہ مقتدر باللہ نے مصر و شام کے گورنروں سے محاصل کی فاضل رقوم کی مد میں ایک لاکھ سینتالیس ہزار دینار سفتجہ کے ذریعہ حاصل کیا تھا[۴]۔ نیز اسی ماخذ

صہ ۱۳۱-۱۳۲ اور "بل آف ایکسچینج (ہنڈی)، ان دی مغل امپائر" پروسیڈنگ انڈین ہسٹری کانگرس مظفر پور اجلاس (۱۹۷۲ء)، صہ ۲۹۰-۳۰۴

[۲] مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے ابو الفضل، اکبر نامہ، کلکتہ ۱۸۸۷ء، جلد سوم، صہ ۶۲۵، مرآۃ احمدی، محولہ بالا صہ ۱۲-۱۱، سبحان رائے بھنڈاری، خلاصۃ التواریخ، دہلی، ۱۹۱۸ء صہ ۲۵ [۳] ابو علی المحسن التنوخی (المتوفی ۹۹۴ء) نشوار المحاضرہ واخبار المذاکرہ، دمشق، ۱۹۳۰ء جلد ثانی، صہ ۱۳۱، ایضاً، الفرج بعد الشدہ، القاہرہ ۱۹۰۳ء، جلد ثانی، صہ ۱۰۳، ناصر خسرو، سفرنامہ، پیرس، ۱۸۸۱ء، صہ ۶۴، نیز دیکھئے عبد العزیز دوری، تاریخ العراق الاقتصادی فی القرن الرابع، بغداد، ۱۹۴۸ء صہ ۱۷۲-۱۷۶، آدم میز، رینیسانس آف اسلام (انگریزی ترجمہ خدابخش) پٹنہ، ۱۹۳۷ء، صہ ۴۷۶-۴۷۷، امام الدین، اکنامکس ہسٹری آف اسپین، ڈھاکہ، ۱۹۶۳ء صہ ۱۴۴-۱۴۱ [۴] التنوخی، نشوار المحاضرہ واخبار المذاکرہ، مصر، ۱۹۲۱ء جلد اول صہ ۱۰۵-۱۰۶، ابو علی احمد بن محمد المعروف بہ مسکویہ، تجارب الامم، القاہرہ ۱۹۱۴ء جزو اول، صہ ۱۲۶ نیز دیکھئے صہ ۱۳۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے یہ بھی شہادت ملتی ہے کہ اہواز، فارس، اصفہان اور دوسرے مشرقی صوبوں سے بھی باقیماندہ رقمیں مرکزی خزانہ کو سفتجہ کی صورت میں بھیجی جاتی تھیں[1]۔ ۱۴ویں صدی عیسوی کے ایک مصنف علی ابن سعید المغربی کی کتاب سے بھی اسی طرح کے عمل کی توثیق ہوتی ہے ان کے بیان کے مطابق جب مصر کے گورنر کو بغداد میں شعبہ مالیات کے وزیر کو رقم وغیرہ ارسال کرنی ہوتی تو وہ اس شہر میں اپنے نمائندے کے پاس لیٹر آف کریڈٹ روانہ کر دیتے جو اس کے عوض متعینہ رقم وزیر کے حوالہ کر دیتا تھا[2]۔ بعض تاریخی مآخذ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے زمانہ میں مختلف صوبوں میں ٹیکسوں کی تحصیل کا اجارہ لینے والے (ریوینو فارمرس) صوبائی حکومت کو اجارہ کی متعینہ رقوم بھیجنے کے لیے سفتجہ کا طریقہ اختیار کرنا زیادہ پسند کرتے تھے[3]۔

سفتجہ کے استعمال اور اسے نقد میں تبدیلی کرنے یا اس کے ذریعہ رقوم کی ادائیگی کی بابت تفصیلی معلومات تو نہیں ملتیں۔ اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ سفتجہ کے ذریعہ دوسرے شہر میں مطلوبہ رقم کی وصولی بیک وقت بالاقساط دونوں صورتوں میں ہوتی تھی[4] اور یہ کہ ہر سفتجہ کی ایک مقررہ میعاد ہوتی جس کے پورا ہونے کے بعد ہی اس کے عوض رقوم وصول کی جاسکتی تھیں[5]، اگر اس میعاد سے قبل اس کے ذریعہ ادائیگی حاصل کی جاتی تو زر تخفیف کے طور پر اصل رقم سے کچھ کاٹ لیا جاتا تھا[6]۔ بہرحال اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا کہ سفتجہ جاری

---

[1] مسکویہ، تجارب الامم، محولہ بالا، ص ۱۸۷، جزو خامس، ص ۳۰۵، مسکویہ (جزء اول ص ۱۵۰) کے بیان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صوبوں سے مرکز کو سفتجہ کے کاغذات لے جانے کے لیے مخصوص قاصد ہوتے تھے جو "فیج" کے نام سے معروف تھے [2] ابن السعید المغربی، کتاب المغرب، لیڈن، ۱۸۹۶ء، ص ۳۲
[3] مسکویہ، تجارب الامم، جزء اول ص ۱۵۰
[4] التنوخی، نشوار المحاضرہ واخبار المذاکرہ، محولہ بالا، جلد ثانی، ص ۱۲۱ [5] عبدالعزیز دوری، تاریخ العراق الاقتصادی، محولہ بالا، ص ۱۷۶ [6] الصابی (متوفی ۱۰۵۶ء) نے تحفۃ الامراء فی تاریخ الوزراء (بغداد، ۱۹۴۸ء، ص ۸۱) میں ۹۱۲ء کے واقعات میں ذکر کیا ہے کہ ایک شخص کو جس نے سفتجہ کو استعمال کیا تھا لیکن اس کی مقررہ میعاد سے قبل اسے بھنایا تھا فی دینار ۱/۲ دانق (ایک دانق = دینار کا ساٹھواں حصہ) کے حساب سے وصولی کے وقت مزید رقم ادا کرنی پڑی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے وقت تاجر یا انفرادی بنک کار رقوم کی منتقلی چاہنے والے سے کچھ محصول وصول کرتے تھے یا دوسرے مقام پر سفتجہ کو بھناتے وقت کمیشن یا منہا (DISCOUNT) کے طور پر اصل رقم کی ادائیگی میں کچھ کمی کر دی جاتی تھی جیساکہ عہد وسطی کے ہندوستان میں ہنڈی کے معاملہ میں عام طور پر رائج تھا۔[1] بعض نئے اسکالروں نے سفتجہ پر بحث کرتے ہوئے کمیشن یا ڈسکاؤنٹ کے دستور کو اس کے ساتھ بھی منسوب کیا ہے لیکن اس کے ثبوت میں انھوں نے جو تاریخی حوالہ پیش کیا ہے وہ سفتجہ کے بجائے رقعہ یا چک سے تعلق رکھتا ہے۔[2]

یہ تو تھا سفتجہ کا اصطلاحی مفہوم اور اس کے استعمال کی مختلف صورتوں کی تفصیل۔ جہاں تک اس کی فقہی نوعیت کا تعلق ہے فقہا بنیادی طور پر سفتجہ کو قرض کا ایک معاملہ تسلیم کرتے ہیں۔[3] ان کے خیال میں ایک مقام سے دوسرے مقام رقوم کی منتقلی کے لیے روپیہ جمع کرنے والے کی حیثیت مقرض (قرض دینے والے) اور اس مقصد کے لیے جس کے پاس روپیہ جمع کیا جائے اس کی پوزیشن مستقرض (قرض چاہنے والے) کی سی ہے۔ اس معاملہ کے تحت ان کے

---

[1] وی کرشنن، محولہ بالا، ص ۵۶، ۶۲، ۶۷، پروفیسر عرفان حبیب، بنکنگ ان مغل انڈیا محولہ بالا ص ۹-۱۰، ۱۲-۱۳۔ [2] ان مورخین کے خیال میں ڈسکاؤنٹ کی عمومی در دس فیصد تھی، ملاحظہ کیجیے ڈبلو۔ جے فیشل، جیوزان دی اکنامک اینڈ پولیٹیکل لائف آف میڈیول اسلام، لندن، ۱۹۳۷ء ص ۲۰، آدم میز، محولہ بالا، ص ۴۷۷، مذکورہ مورخین نے اپنے خیال کی حمایت میں یاقوت کی کتاب ارشاد الاریب الی معرفۃ الادیب کا ذکر کیا ہے لیکن محولہ صفحہ پر (لیڈن ۱۹۰۷ء، جلد اول، ص ۳۹۹) جو مضمون ملتا ہے اس سے محض یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی شاعر کے دولتمند مربی نے اس کی کسی تخلیق سے خوش ہو کر ایسے ... ۵ دینار کا چک لکھ کر حوالہ کیا اور وہ ایک بنک کے پاس اسے بھنانے لے گیا تو اس نے شاعر کو بتایا کہ دستور کے مطابق اسے فی دینار ایک درہم کے اعتبار سے زر تخفیف کے طور پر ادا کرنا ہوگا اور یہ کہ وہ اسے اس دستور سے مستثنیٰ کر دے گا بشرطیکہ وہ اس شام کو اسے اپنی شاعری سے محظوظ ہونے کا موقع فراہم کرے۔
[3] لیکن چونکہ سفتجہ میں قرض کے علاوہ احالہ، کفالہ و صرف کے معاملات بھی شامل ہوتے ہیں اس لیے فقہاء نے اپنی صوابدید کے مطابق اسے مختلف ابواب کے تحت ذکر کیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نزدیک مقرض قرض کی ادائیگی ایک دوسرے مقام یا شہر میں چاہتا ہے اور اس سے اس کا مقصود راستہ کے خطرات سے مامون رہتے ہوئے ایک دوسرے مقام پر رقوم کی وصولی یا منتقلی ہوتا ہے۔ فقہاء اس پورے معاملہ کو قرض سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ دوسرے مقام پر صاحب رقم یا اس کے نامزد شخص کو بعینہٖ جمع شدہ رقم کے بجائے اس کے مثل ملتی ہے دوسرے اس وجہ سے بھی اسے قرض کے معاملہ کے تحت داخل کیا گیا ہے کہ اگر وہ رقم اس شخص کے پاس سے (جس کے یہاں دوسری جگہ اسے منتقل کرنے کے لیے جمع کیا جاتا) ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ضامن ہوتا ہے اور یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ امانت کے تحت اس طرح کی ضمانت کا سوال نہیں پیدا ہو سکتا۔ بہرحال سفتجہ کی فقہی نوعیت متعین کرتے وقت فقہاء نے جس شئے کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے وہ ہے مقرض (یا رقوم کی دوسرے مقام پر منتقلی چاہنے والے) کا راستہ کے متوقع خطرات سے مامون و محفوظ رہنا۔ ان کی رائے میں یہ ایک منفعت ہے جو مقرض کو اپنے اصل سرمایہ کے علاوہ حاصل ہوتی ہے۔ اس منفعت کی مختلف انداز میں تعبیر کی وجہ سے اکثر فقہاء سفتجہ کو مکروہ اور کچھ اسے مطلق ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس لیے کہ حدیث سے اس قرض کی ممانعت ثابت ہے جو کسی منفعت کا باعث ہو[1]۔ بہرحال سفتجہ کی کراہیت یا عدم جواز کی رائے اس صورت میں ظاہر کی گئی ہے جب کہ قرض کے معاملہ میں اس کے ذریعہ دوسرے مقام پر اس کی ادائیگی بطور شرط شامل ہو، لیکن اگر مشروط نہ ہو یعنی قرض کا معاملہ طے ہو جائے اور بعد میں دوسرے مقام پر اس کی ادائیگی پر سمجھوتہ ہو تو اس کے جواز پر سب کا اتفاق پایا جاتا ہے۔ سفتجہ کے جواز کے استدلال میں بالعموم وہ روایت پیش کی جاتی ہے جس سے حضرت ابن عباسؓ اور حضرات ابن زبیرؓ کا یہ عمل ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات مکہ میں تاجروں سے نقد لے لیا کرتے تھے اور کوفہ و بصرہ میں اس کی ادائیگی کے لیے خط یا تحریر لکھ کر دے دیتے تھے[2]۔ فقہا اس عمل کو بھی قرض کی ایک صورت بتاتے ہیں اور اس کی تاویل اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ یہ اصحاب رسولؐ پہلے قرض کے طور پر رقم لیتے تھے اور بعد میں دوسرے شہر میں

---

[1] "کل قرض جر منفعۃ فھو ربا" (ابن حجر عسقلانیؒ، الدرایۃ فی تخریج الاحادیث الھدایہ مطبع فاروقی، دہلی ۱۲۹۹ھ ص ۲۹۱

[2] محمد بن احمد السرخسی (م ۱۰۹۰ھ) المبسوط قاہرہ، جزء رابع عشرہ ص ۳۶، ۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی ادائیگی کا انتظام کرتے تھے۔

اس سلسلے میں مختلف فقہائے اسلام کی رائیں اس طرح ہیں:۔

"ویکرہ السفاتج وھو قرض استفاد منه المقرض"[۱]

(اور سفاتج مکروہ ہیں اور یہ ایک ایسا قرض ہے جس سے مقرض کو فائدہ حاصل ہوتا ہے)

دوسری جگہ اس کی تفصیل ہے:

"والسفاتج التی تتعامل الناس علی ھذا ان اقرضه بغیر شرط و کتب له سفتجه بذالك فلا باس به وان شرط فی القرض ذالك فھو مکروہ لانه یسقط بذالك خطر الطریق عن نفسه فھو قرض جر منفعة"[۲]

(اور سفاتج جس کے ذریعہ لوگ (لین دین کا) معاملہ کرتے ہیں (کے بارے میں شرعی حکم) یہ ہے کہ اگر ایک نے دوسرے کو قرض دیا اور پھر (دوسرے مقام پر) اس کی ادائیگی کے لیے قرض دینے والے کے حق میں سفتجہ لکھا گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر قرض کے معاملہ میں سفتجہ مشروط قرار دیا گیا تو یہ مکروہ ہے اس لیے کہ قرض دینے والا اس طرح راستہ کے خطرات کو اپنے اوپر سے ساقط کر لیتا ہے اور یہ قرض ایک منفعت کا باعث بن جاتا ہے)

---

[۱] ابوالحسن احمد بن قدوری (م ۴۲۸ھ/۱۰۳۶ء) مختصر القدوری، بمبئی ۱۳۰۳ھ (کتاب الحوالہ) ص ۱۲۷

[۲] المبسوط، محولہ بالا (باب القراض والصرف) ص ۳۶ تا ۳۷ نیز دیکھئے برہان الدین علی المرغینانی (م ۵۹۳ھ/۱۱۹۶ء): الھدایہ، دہلی، ۱۹۶۸ء، جلد ثالث (کتاب الحوالہ) ص ۱۱۴، اسمٰعیل بن الحسین البیہقی، الکفایہ، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، یونیورسٹی کلکشن، عربیہ (۲) ۹۸، ورق ۵۷ ب - ۵۸ الف، محمد علاؤ الدین الحصکفی (م ۱۰۸۸ھ/۱۶۷۷ء): الدر المختار فی شرح تنویر الابصار، نولکشور ۱۸۷۷ء جلد ۳ ص ۲۷۷

اور: ابن عابدین: رد المحتار علی الدر المختار [illegible] ص ۲۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاص بات یہ ہے کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستانی فقہاء بھی سفتجہ کی شرعی حیثیت کی بابت مذکورہ خیال سے متفق نظر آتے ہیں، ان کی نظر میں صرف وہی سفتجہ مکروہ ہے جو قرض کے ساتھ مشروط ہو ورنہ عام حالات میں وہ اسے جائز تصور کرتے ہیں۔ فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ء-۱۳۸۸ء) کی ایماء پر تیار کیا گیا ایک اہم مجموعہ فتاویٰ میں جو فتاوائے فیروز شاہی کے نام سے معروف ہے باب الصرف کے تحت سفتجہ سے الگ ایک استفتاء اور فتویٰ ان الفاظ میں مذکور ہے۔

سوال۔ اگر زید عمرو سے شہر دہلی میں قرض لیتا ہے کہ وہ اس کی ادائیگی قنوج میں کرے گا بعد میں وہ سفتجہ لکھ کر عمرو کو دے دیتا ہے جسے (ہندوستانی) تجار کی اصطلاح میں ہنڈی کہتے ہیں شریعت کی رو سے اس طرح کا معاملہ مکروہ ہوگا کہ نہیں؟

جواب۔ مکروہ نہ ہوگا (واللہ اعلم بالصواب) ایضاح میں منقول ہے کہ ہمارے اصحاب کے قول کے مطابق وہ سفتجہ مکروہ ہے جس کے ذریعہ آپس میں معاملہ کرتے ہیں اس لیے کہ قرض دینے والا اس صورت میں راستہ کے خطرات سے بری ہونے کا فائدہ حاصل کرتا ہے پس یہ اس قرض کے حکم میں ہو جاتا ہے جو نفع کا باعث بنتا ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت کی جاتی ہے کہ وہ مدینہ میں تاجروں سے قرض حاصل کیا کرتے تھے کہ کوفہ میں اس کی ادائیگی کی جائے گی، یہ روایت اس پر محمول کی جائے گی کہ وہ مطلق قرض لے لیا کرتے تھے پھر بعد میں سفتجہ لکھ کر دیتے تھے اور یہ مکروہ نہیں ہے۔ مکروہ اس صورت میں ہے جبکہ سفتجہ قرض میں بطور شرط شامل ہو۔[1]

فتاوائے عالم گیری میں بھی سفتجہ کی یہی تفصیل ملتی ہے:

"وکرہ السفاتج وھو قرض استفاد بہ المقرض سقوط خطر الطریق وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قرض جر نفعا وصورتہ دفع الی تاجر عشرۃ (دراہم) لیبد

---

[1] فتاوائے فیروز شاہی، محولہ بالا، ورق ۳۰۹ ب، ۳۱۰ الف، مشہور روایت کے برخلاف اس میں مکہ کی جگہ مدینہ کا لفظ مذکور ہے، ممکن ہے کتابت کی غلطی کی وجہ سے یہ فرق ہو گیا ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فدفعها الی صدیقه وانما یدفعه علی سبیل القرض لا علی سبیل الامانة لیستفید به سقوط خطر الطریق فان لم تکن المنفعة مشروطة ولا کان فیه عرف ظاهر فلا باس به"[1]

(اور سفاتج (کا استعمال) مکروہ ہے یہ ایسا قرض ہے جس کے ذریعہ قرض دینے والا راستہ کے خطرات کے ساقط ہونے کا فائدہ حاصل کرتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرض سے منع فرمایا ہے جو کسی منفعت کا سبب بنے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی تاجر کو مثال کے طور پر دس (درم) دے تاکہ وہ اس کے دوست تک پہنچا دے اور یہ دینا قرض کے طور پر ہوتا ہے نہ کہ امانت کے اس لیے کہ اس سے مقصود راستہ کے خطرات کو اپنے اوپر سے ساقط کرنا ہوتا ہے۔ پس اگر یہ منفعت مشروط نہیں ہے اور نہ ایسا ہونا عرفاً ظاہر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔)

دوسرے مآخذ بھی تقریباً اسی رائے کے قائل ہیں[2] البتہ بعض فقہاء کا موقف نسبتاً اور سخت ہے جو سفتجہ کا استعمال ہر حالت میں مکروہ قرار دیتے ہیں خواہ اس کے ذریعہ قرض کی ادائگی پہلے سے طے شدہ ہو یا بعد میں اس کی بابت فیصلہ کیا گیا ہو۔ النہر الفائق شرح کنز الدقائق میں اس خیال کو ترجیح دی گئی ہے۔ صاحب النہر نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ موجودہ مسئلہ میں کراہیت کی اصل وجہ منفعت کا حصول ہے جو دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے قرض کے معاملہ میں اس کے پہلے سے داخل ہونے یا بعد میں شامل ہونے سے مسئلہ کی اصل نوعیت پر کوئی فرق مترتب نہیں ہوتا ہے[3]

---

[1] فتاوائے عالمگیری، مطبع مجیدی، کانپور ۱۳۵۵ھ، جلد ۳ (باب الکفالہ) صفحہ ۲۶۱

[2] فخر الدین حسن ارزجندی (م ۱۱۹۶ء): فتاوی قاضی خاں، کلکتہ، ۱۸۳۵ء جلد ۳، کتاب الکفالہ صفحہ ۷۴-۸۴، رد المحتار جلد ۴، کتاب الحوالہ صفحہ ۲۹۶ نیز ہدایہ، محولہ بالا جلد ۳، کتاب الحوالہ صفحہ ۱۱۲، حاشیہ ۱۸

[3] صاحب النہر کے خیالات کے لیے ملاحظہ کیجئے رد المحتار، البحر الرائق، صفحہ ۲۹۵-۲۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہائے امت میں صرف علامہ ابن تیمیہ ہیں جو اس مسئلے میں بالکل ممتاز رائے رکھتے ہیں اور بڑے وزن دار دلائل سے اس کی وکالت کرتے ہیں ہمارے خیال میں خاص طور پر موجودہ حالات کے سیاق میں یہی رائے سب سے زیادہ موزوں اور متوازن معلوم ہوتی ہے۔ ابن تیمیہ سفتجہ کے مطلق جواز کے قائل ہیں۔ دیگر فقہاء کے مثل وہ بھی اسے بنیادی طور پر قرض کا ایک معاملہ تسلیم کرتے ہیں اور اس امر سے بھی اتفاق کرتے ہیں کہ قرض دینے والا اس معاملہ میں اپنی اصل رقم کی واپسی کے علاوہ ایک اور فائدہ (راستہ کے خطرات سے مامون رہتے ہوئے ایک دوسرے مقام پر رقوم کو منتقل کرنا) حاصل کرتا ہے۔ لیکن ان کی رائے میں اس معاملہ میں مقرض کے ساتھ ساتھ مستقرض کو بھی منفعت نصیب ہوتی ہے۔ ابن تیمیہ کے مطابق مستقرض کو یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے اسے اپنے شہر میں قرض کی صورت میں ایک سرمایہ فراہم ہوجاتا ہے جسے وہ مقامی طور پر اپنی ضروریات کے لیے استعمال کرسکتا ہے۔ مزید براں اسے بغیر کسی زحمت دوسرے شہر میں اس کی ادائیگی کی سہولت بھی ملتی ہے۔ ابن تیمیہ اپنے خیال کو مزید تقویت اس دلیل سے دیتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسی چیز سے منع نہیں فرماتے جو لوگوں کی منفعت کا باعث ہو اس سے ممانعت صرف اس چیز کی کرتے ہیں جو ان میں سے کسی ایک کے لیے یا دونوں کے لیے مضرت رساں ہو۔ چنانچہ وہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

إذا اقرضه دراهم ليستوفيها منه في بلد اخر، والمقترض له دراهم في ذلك البلد، وهو محتاج الى دراهم في بلد المقرض، فيقترض منه، ويكتب له "سفتجه" أي: ورقته، الى بلد المقترض، فهذا يصح في احد قولي العلماء

وقيل: نهي عنه، لأنه قرض جر منفعة، والقرض اذا جر منفعة كان ربا، والصحيح الجواز؛ لأن المقترض رأى النفع بامن خطر الطريق في نقل دراهمه إلى ذلك البلد، وقد انتفع المقترض ايضا بالوفاء في ذلك البلد، وامن خطر الطريق، فكلاهما منتفع بهذا الاقتراض،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والشارع لا ینہی عما ینفعہم ویصلحہم، وانما ینہی عما یضرہم[1]

جب کوئی دوسرے کو کچھ قرض دے اور اس کی ادائیگی دوسرے شہر میں چاہے گویا کہ قرض دینے والے کا مقصد دوسرے شہر تک اس رقم کو منتقل کرنا ہو اور صورتحال یہ ہو کہ قرض لینے والے کو مقرض کے شہر میں درم کی ضرورت ہو پس وہ قرض لے اور اپنے شہر میں اس کی ادائیگی کے لیے سفتجہ یا تحریر لکھ کر دے دے تو علماء کے ایک قول کے مطابق یہ عمل جائز ہوگا اور یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ یہ ممنوع ہے اس لیے کہ یہ قرض ایک منفعت کا سبب بنتا ہے اور وہ قرض جو منفعت کے حصول کا باعث ہو سود کے حکم میں ہو جاتا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ عمل (سفتجہ کا استعمال) جائز ہے اس لیے کہ اگر سفتجہ کے ذریعہ مقرض نے یہ چاہا کہ وہ اپنے دراہم کو دوسرے شہر تک منتقل کر دے اور راستہ کے خطرات سے مامون رہے تو قرض لینے والے نے بھی اس شہر میں راستہ کے خطرات کا سامنا کیے بغیر ادائیگی کر کے نفع حاصل کیا اس طرح قرض کے اس معاملہ کے ذریعہ دونوں منفعت سے محظوظ ہوئے اور شارع علیہ السلام اس امر سے منع نہیں فرماتے جو لوگوں کے لیے نفع اور بہتری کا باعث ہو بلکہ اس سے جو ان کے لیے نقصان دہ ہو۔[1]

اس گفتگو سے واضح ہے کہ سفتجہ کے ذریعہ ایک مقام سے دوسرے مقام رقوم کی منتقلی یا ایک شہر سے دوسرے شہر ارسال زر کے اس طریقہ کی شرعی حیثیت کی بابت عام طور پر فقہاء نے جو رائیں قائم کی ہیں وہ اس مسئلہ کو قرض کے اصول وضوابط کے تحت جانچنے پر مبنی ہیں اور اس کی حلت وحرمت یا کراہیت کے بارے میں ان کا فیصلہ مقرض کو حاصل ہونے والی منفعت کی مختلف انداز میں ترجمانی پر منحصر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ محض اس کی ظاہری صورت پر نظر کرتے ہوئے سفتجہ کو قرض کے معاملہ کے تحت داخل کیا گیا ہے۔ ورنہ فی الحقیقت اس کی تصریح نہیں ملتی کہ یہ طریقہ اختیار کرتے وقت طرفین کے مابین باقاعدہ مقارضت کے اصول پر بات چیت مکمل ہوتی تھی اور قرض دینے والے کے

---

[1] فتاوائے ابن تیمیہ، مطابع دار العربیہ، بیروت، جلد ۱۹ ص ۵۳۰-۵۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش نظر ایک خاص منفعت (دوسرے مقام پر اس کی بحفاظت وصولی) کا حصول ہوتا تھا اور نہ یہ بات ثابت ہے کہ پہلے قرض کا معاملہ طے ہوتا تھا اور بعد میں کسی خاص ضرورت کے تحت قرض دینے والا دوسرے مقام پر اس کے ادا کیے جانے کے لیے قرض لینے والے سے سمجھوتہ کرتا تھا۔ اپنی سادہ صورت میں سفتجہ جانبین کے باہمی سمجھوتہ پر ایک مبنی بر سہولت طریقہ تھا جو سفر کے متوقع خطرات اور بار کی زحمتوں کے پیش نظر رقوم کی منتقلی یا ارسال زر کے لیے اختیار کیا جاتا تھا۔ حضرات صحابہ میں عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت ابن زبیرؓ سے سفتجہ کا جو عمل ثابت ہے اگرچہ فقہا اسے بھی قرض کے معاملہ کے تحت داخل کرتے ہیں لیکن اس روایت میں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے محض تجار سے چاندی یا نقد رقم لینے (یاخذ الورق من التجار بالمکۃ) کے الفاظ ملتے ہیں قرض لینے یا دینے کا مفہوم اس سے مشکل ہی سے نکلتا ہے۔

سفتجہ کو فی نفسہ قرض کا ایک معاملہ قرار دے کر اس کی فقہی نوعیت متعین کرنے میں چنداں حرج نہیں البتہ قرض کو اصل تسلیم کرنا اور سفتجہ کو اس کی ضمنی یا ملحقہ صورت کی حیثیت دے کر اس پر اظہار خیال کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے کہ عملاً ایسا نہیں ہوتا تھا کہ پہلے کوئی شخص قرض لیتا تھا اور بعد میں اتفاقیہ دوسرے شہر میں رقوم کی منتقلی کے لیے سفتجہ کے ذریعہ مقروضہ رقم کی ادائیگی اس شہر میں حاصل کرتا تھا بلکہ ارسال زر کا خواہش مند شخص دوسرے کے پاس (جس کا سرمایہ اس کے مطلوبہ مقام میں موجود ہوتا تھا) اپنی رقم جمع کر دیتا تھا اور اس مقام پر خود یا دوسرے کے حق میں اس کی وصولی کے لیے سفتجہ لکھا لیتا تھا۔ بالفاظ دیگر سفتجہ بجائے خود ایک مستقل معاملہ تھا قرض کے معاملہ سے اس کا ملحق ہونا ضروری نہ تھا البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ صورۃً قرض اور سفتجہ میں مناسبت ہے۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ احالہ، کفالہ اور صرف کے مسائل اس میں داخل ہیں شاید فقہا نے اس کی اسی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق اسے احالہ، کفالہ اور قراض وصرف کے مختلف الواب کے تحت ذکر کیا ہے۔ البتہ چونکہ سفتجہ سے اصل مقصود دوسری جگہ نقود کو منتقل کرنے یا رقوم ارسال کرنے میں راستہ کے متوقع خطرات کو دوسرے کے ذمہ ڈالنا ہوتا ہے اس لیے اکثر فقہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کو حوالہ کے مسائل میں شامل کرتے ہیں اور یہی بات زیادہ موزوں اور قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ سفتجہ کی اصل حیثیت کے پیش نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کی فقہی نوعیت متعین کرتے وقت مذکورہ منفعت کے علاوہ بعض دیگر پہلوؤں کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً دوسرے مقام پر اس کے ذریعہ ادائیگی کے وقت اصل رقم پر کچھ اضافہ کرنا، سفتجہ جاری کرنے والے کی جانب سے اس خدمت کے عوض کوئی فیس یا محصول وصول کرنا یا اسے نقد میں تبدیل کرتے وقت اصل رقم سے کمیشن یا بٹہ کے طور کچھ کاٹنا۔

جہاں تک سفتجہ کے تحت جمع کی جانے والی اور دوسرے مقام پر ادا کی جانے والی رقم میں کمی و بیشی کا سوال ہے تو اگر یہ تبادلہ جنس کا جنس سے اور بلا شرط ہو تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ فقہاء اسے احسان کی قبیل سے شمار کرتے ہیں جو ہر حال میں مطلوب و مستحسن ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن زبیرؓ کے عمل سے متعلق محولہ بالا روایت سے ثابت ہوتا ہے[۱] کہ تجار کوفہ و بصرہ میں اپنی جمع کردہ چاندی سے بہتر (اجود من ورقہم) پاتے تھے صاحب واقعہ راوی کا بیان ہے کہ اس نے حضرت ابن عباسؓ سے بہتر رقم ادا کیے جانے کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے الا آنکہ مشروط ہو۔ رہا وزن یا مقدار میں زیادتی کا مسئلہ تو اگر یہ معمولی نوعیت کی ہے جس کا ترازو یا باٹ میں فرق ہونے کی وجہ سے واقع ہونا عین ممکن ہے تو فقہاء کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہ ہوگی اور یہ معاملہ جائز ہوگا۔ ہاں اگر زیادتی اس قسم کی نہ ہو اور اسے معمولی کہنا مشکل ہو مثلاً سو درہم پر ایک درہم کا اضافہ تو یہ جائز نہ ہوگا[۲]۔ ظاہر ہے کہ کمی کی صورت میں بھی اسی کمی کی صورت میں بھی اسی اصول کی روشنی میں اس کی حلت و حرمت کا فیصلہ کیا جائے گا

---

[۱] السرخسی، المبسوط، محولہ بالا، ص ۳۷ سطر ۳ "قال عطاء فسألت ابن عباسؓ عن اخذہم اجود من ورقہم قال لا باس بذالک ما لم یکن مشروطاً" (ایضاً ص ۳۷)

[۲] ردالمحتار، جلد ۴ (کتاب الحوالہ)، ص ۲۹۶، شیخ زین الدین بن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق مطبعہ علمیہ، مصر (کتاب الحوالہ) ص ۲۶۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس امر کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اگر جمع کردہ (یا مقروضہ) اور وصول شدہ رقم میں کمی بیشی دو مقام یا دو ملک کے سکوں یا کرنسی کے زر مبادلہ میں تفاوت کی وجہ سے واقع ہو تو اس کا کچھ اعتبار ہوگا نہ اس کی وجہ سے سفتجہ غیر شرعی قرار پائے گا۔ رہا یہ مسئلہ کہ اگر مستقرض (یا رقوم کی منتقلی کرنے والے) اپنی جانب سے مقرض (ارسال زر کے طالب) یا اس کے نامزد شخص کو اصل رقم سے کچھ زائد دے تو اس کا کیا حکم ہوگا۔ اس پر بعض فقہاء کی بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر یہ زائد حصہ اصل رقم سے متعین طور پر علیحدہ نہیں ہے یا دونوں اس طرح گڈمڈ ہوں کہ اصل و زاید کی صحیح مقدار نامعلوم ہو تو یہ اضافہ جائز نہ ہوگا لیکن اگر اختلاط اور احتمال کی یہ صورت نہ ہو مثلاً ایک شخص نے دوسرے شہر میں سفتجہ کے ذریعہ قرض کی ادائیگی کے وقت مقروضہ رقم کے مثل ادا کرنے کے بعد بلا شرط ایک درہم اپنی طرف سے بخوشی دیا تو یہ زیادتی بلا اختلاف جائز ہوگی۔ اصل رقم پر کمیت یا مقدار کے لحاظ سے اضافہ کے بارے میں فقہا قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ غیر مشروط طور پر بطور احسان اور واضح انداز میں ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے سلہ جہاں تک اس کے ذریعہ ارسال زر کے محصول کے طور پر کچھ وصول کرنے یا اس کو بھناتے وقت زر تخفیف کے مد میں اصل رقم سے کچھ کاٹنے کا مسئلہ ہے تو فقہا نے سفتجہ پر بحث کرتے ہوئے اس سے تعرض نہیں کیا ہے ممکن ہے اس وقت کے حالات میں یہ صورت سفتجہ میں داخل ہی نہ رہی ہو اس لیے یہ جزئیہ فقہا کی توجہ کا طالب نہ بن سکا۔ صرف تعجب اس پر ہے کہ ہندوستانی فقہا، جنھوں نے سفتجہ کو ہنڈی کے مترادف قرار دیا ہے وہ اس مسئلہ پر کیوں خاموش نظر آتے ہیں جبکہ ہنڈی کے بارے میں یقینی طور پر یہ معلوم ہے کہ صراف یا پیشہ ور تاجر (جو ہنڈی جاری کرتے تھے) اس خدمت کا معاوضہ وصول کرتے تھے یا دوسرے مقام پر اس کو نقد میں تبدیل کرتے وقت ان کے ایجنٹ زر تخفیف کے نام پر اصل رقم سے کچھ کم کرکے دیا کرتے تھے۔ سفتجہ کے اس

سلہ الدر المختار، جلد سوم (کتاب الحوالہ) ص۳۷۷، رد المختار، الجزء الرابع، ص۲۹۶، البحر الرائق، الجزء السادس (کتاب الحوالہ) ص۲۶۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلو پر فقہاء کی خاموشی کے باوجود اصل مسئلہ کے بارے میں ان کی رائے کی روشنی میں اس جزئیہ کے متعلق بھی ان کے نقطۂ نظر کو سمجھا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے جو فقہاء سفتجہ کو قرض کا ایک معاملہ تسلیم کرتے ہوئے اور راستہ کے امن کو منفعت سے تعبیر کرتے ہوئے اس کے عدم جواز یا کراہیت کے قائل ہیں وہ فیس یا کسی قسم کے معاوضہ کی صورت میں بدرجہ اولیٰ اسے ناجائز قرار دیں گے اس لیے کہ اس صورت میں منفعت کے ساتھ ساتھ اس میں کمی بیشی کا عنصر بھی شامل ہوجاتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کی ترجمانی متاخرین میں ہمیں مولانا اشرف علی تھانویؒ کے کے ایک فتویٰ میں ملتی ہے جو منی آرڈر کی شرعی حیثیت کی بابت ایک استفتاء کے جواب میں پیش کیا گیا ہے۔ مولانا تھانویؒ منی آرڈر کو بھی قرض کے قبیل سے شمار کرتے ہیں، فیس کی صورت میں وہ اسے ممنوع قرار دیتے ہیں اور فیس نہ ہونے کی حالت میں سفتجہ کے مثل اسے مکروہ تصور کرتے ہیں۔ اس فتویٰ کے متن کو یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے طوالت کے خوف سے استفتاء کو حذف کرتے ہوئے صرف اس کا جواب پیش کیا جاتا ہے:

"الجواب: قاعدہ کلیہ ہے الاقراض تقضی بامثالہا اور منصوص ہے کہ قرض میں کمی بیشی کی شرط ربوا ہے۔ اب سمجھنا چاہئے کہ منی آرڈر کا روپیہ جو ڈاک خانہ میں داخل کیا جاتا ہے آیا وہ امانت ہے اور اہل ڈاک اجیر یا قرض ہے اور اہل ڈاک مستقرض سو چونکہ یقیناً یہ معلوم ہے کہ وہ روپیہ بعینہ نہیں بھیجا جاتا اور نیز یہ قانون ہے کہ اگر ڈاک خانہ سے وہ روپیہ اتفاقاً ضائع ہو جاوے تو اہل ڈاک اس کا ضمان دیتے ہیں ان دونوں امر سے معلوم ہوا کہ وہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے جو دوسری جگہ ادا کیا جاتا ہے پس فیس بھی جزو قرض ہے اور مقام وصول پر چونکہ بوضع فیس ادا کیا جاتا ہے اس لیے قرض میں کمی بیشی لازم آئی یہ وجہ اس کے ممنوع ہونے کی ہے بلکہ اگر فیس نہ ہو تب بھی حسب قاعدہ کلیہ کل قرض جر نفعہا فہو ربوا" بوجہ منفعت سقوط خطر طریق کے داخل سفتجہ ہو کر مکروہ ہے فی الدر المختار کتاب الحوالہ وکرہت السفتجہ"[1]

---

[1] امداد الفتاویٰ (معروف بہ فتاوائے رشیدیہ) مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۲۶ھ، جلد سوم صفحہ ۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سفتجہ کو قرض کے معاملہ سے ملحق کرنے کے یا قرض کی ایک صورت کی حیثیت سے تسلیم کرنے کے بجائے اگر اسے ارسال زر کے لیے دو اشخاص کے درمیان طے شدہ ایک سادہ سا معاملہ تصور کیا جائے اور اس کام کی انجام دہی میں تاجر یا صراف کے صرف اوقات اور عملہ و ایجنٹوں پر ہونے والے اخراجات کو پیش نظر رکھا جائے تو دوسرے مقام پر رقوم کی فراہمی یا روپیے کی روانگی کے عوض فیس یا محصول کی تحصیل یا اس کی شرط میں کوئی شرعی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔ سفتجہ کے عدم جواز یا حرمت کا مسئلہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب اسے براہ راست قرض کے اصول کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ اگر اسے براہ راست قرض کے دائرہ سے علٰحدہ ایک معاملہ کی حیثیت سے دیکھا جائے تو مسئلہ کی فقہی نوعیت بدل جائے گی۔ عہد وسطیٰ میں جن مقاصد کے تحت سفتجہ کا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا اور اس کے لیے تاجر و صراف کی خدمت حاصل کی جاتی تھی آج مختلف ملکوں میں حکومت کے قائم کردہ ادارے با تنخواہ عملہ کی مدد سے وہی کام انجام دیتے ہیں صارفین کو اس کے عوض بطور فیس یا سروس چارج کچھ رقم حکومت کے قانون کے مطابق ادا کرنی پڑتی ہے۔ جا ہے دوسری جگہ روپیہ بھیجنے کے لیے ہم بینک ڈرافٹ بنوائیں یا منی آرڈر و پوسٹل آرڈر کا طریقہ اختیار کریں ہر صورت میں ہم بھیجی جانے والی رقم سے کچھ زائد گورنمنٹ کے کھاتہ میں جمع کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ زائد رقم شخص مقصود تک نہیں پہنچتی ہم ان ذرائع کو بلا تکلف استعمال کرتے ہیں لیکن آج ہمارے علماء و فقہا کے درمیان شاید ہی ان کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ زیر بحث آتا ہو، اس لیے کہ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ حکومت جو فیس یا محصول وصول کرتی ہے وہ ان مصارف کی تکمیل کے لیے ہوتی ہے جو ان ذرائع کی فراہمی میں درکار ہوتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سفتجہ کے مسئلہ پر غور کرنے اور اس کی شرعی حیثیت متعین کرنے میں بھی ان حقائق کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور اس کی حلت و حرمت کا فیصلہ محض قرض کے ایک معاملہ کی حیثیت سے نہ کیا جائے، بلکہ اس کے استعمال کے اصل مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ارسال زر کے ایک طریقہ کی حیثیت سے اسے موضوع بحث بنایا جائے۔

© rasailojaraid.com